یکے از مطبوعات جامعہ سلفیہ

برِ صغیر پاک و ہند میں

تعلیم و ترویج حدیث

محمد سلیمان اظہر ایم اے (گولڈ میڈلسٹ)
لیکچرر گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ۔ لاہور

جامعہ سلفیہ لائلپور

یکے از مطبوعاتِ جامعہ سلفیہ

برِ صغیر پاک و ہند میں

تعلیم و ترویج حدیث

محمد سلیمان اظہر ایم۔ اے (گولڈ میڈلسٹ)
لیکچرر گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ۔ لاہور

جامعہ سلفیہ
لائلپور

(اشرفی پریس لائلپور)

پیش لفظ

آج برّصغیر پاک و ہند کا قریہ قریہ قال اللہ و قال الرسول کی صداؤں سے گونج رہا ہے۔ برصغیر کی اکثر زبانوں میں علوم اسلامیہ کا وافر ذخیرہ ہو چکا ہے۔ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب قرآن جیسی اہم ترین کتاب یہاں کے عوام کیلئے لاطینی زبان کی انجیل بن چکی تھی۔ جسے لوگ تبرکاً پڑھتے تو تھے لیکن اس کے منشا و مفہوم سے یکسر غافل تھے اور عیسائی پادریوں کی طرح فقیہان حرم بے توفیق اپنی اغراض اور منشا کے مطابق مطالب قرآنی میں تحریف کا ذلیل ترین کام کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ حدیث کو یہاں شجر ممنوعہ قرار دیا جا چکا تھا کیونکہ اس کی اشاعت الوالہوس اور جاہ پرست علماء سوء اور مطلق العنان حکمرانوں کیلئے پیغام مرگ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے ان دونوں طبقوں کے باہمی اتحاد نے دین الٰہی جیسے نظریات کو جنم دیا جنہوں نے اسلام کو ملک بدر کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

لیکن تاریکی روشنی کو کب تک دبائے رکھ سکتی ہے۔ اندھیرے کو دُم دبا کر بھاگنا ہی پڑتا ہے۔ چنانچہ ہند میں بھی یہی ہوا۔ یہ کارِ عظیم کن لوگوں نے انجام دیا، وہ کون لوگ تھے جنہوں نے زمانے بھر کے تیز و تند طوفانوں کو اپنے سینے تان کر روکا اور رُخ پھیرنے پر مجبور کیا۔ وہ کون باغبان تھے جو گلشنِ توحید اور ریاضِ رسولؐ کی آبیاری جیسی عظیم سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ تاریخ ہند کا یہ ایک ایسا باب ہے جس پر بہت کم لکھا گیا ہے ــــ جو کچھ موجود ہے، وہ دُودھ پینے والے کو خون دینے والے مجنوں کی حیثیت سے پیش کرتا ہے اور جن عظیم القدر علماء نے سرِدار نعرہ ہائے حق بلند کئے۔ انہیں عمداً طاقِ نسیاں کی زینت بنایا گیا ہے۔

علم حدیث کی خدمت اسی طرح اہل حدیث کا حق اور فرض ہے جس طرح فقہ مالک کی خدمت موالک کا، فقہ شافعی کی خدمت شوافع کا، فقہ حنفی کی خدمت احناف کا، فقہ امام

احمد بن حنبل کی خدمت حنابلہ کا، اور فقہ جعفری کی خدمت شیعوں کا حق اور فرض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس دور میں ہند اصحاب الحدیث سے خالی تھا۔ یہاں حدیث کا درس متروک تھا۔ اس عرصے میں جو کئی صدیوں پر محیط ہے۔ یہاں فن حدیث پر تصنیفات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ سے پہلے (دو ایک علماء کے سوا، اگرچہ وہ بھی اہل حدیث ہونے کا ہی دعوی رکھتے تھے) یہاں کے کسی فرد نے کسی کتاب حدیث کی نہ شرح لکھی نہ ترجمہ کیا۔ لیکن جونہی میدان اہل حدیث کے ہاتھ میں آیا علوم سنت یہاں اس قدر ارزاں ہو گئے کہ آج ایک پرائمری پاس شخص بھی کتب حدیث سے براہ راست استفادہ کر سکتا ہے۔ وہ فضا جو پہلے قال ابو حنیفہؒ۔ قال ابو یوسفؒ اور قال محمد بن حسنؒ کی آوازوں سے گونجا کرتی تھی۔ اب قال الرسولؐ کے مقدس نغمات سے معمور ہے۔ اہل حدیث کی کوششوں کے طفیل زمانے کا چلن اس قدر بدل گیا کہ خود احناف اپنے مدارس میں حدیث پڑھانے اور کتب احادیث کی شروح لکھنے پر مجبور ہو گئے کیونکہ اب یہاں حدیث رسولؐ سے حاصل شدہ تیل کے سوا کسی کا چراغ جلنا ممکن نہ رہا۔

قارئین کرام اس مختصر سے کتابچے میں حدیث کی تدریس و ترویج کے بارے میں مختصر سی گذارشات پیش کرنے کی حتی المقدور سعی کی گئی ہے۔ یہ کام بڑے علماء کے کرنے کا ہے کیونکہ کچھ عرصہ بعد دعوت و عزیمت کا یہ باب نظروں سے اوجھل ہو کر رہ جائے گا۔ میں اپنی بے بضاعتی کا رسمی ذکر کرنے کے بجائے شیخ الحدیث مولانا سلطان محمود صاحب محدث کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ مقالہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں، جنہوں نے اپنا بیش قیمت وقت صرف کر کے اس پر نظر ثانی فرمائی ہے اور بعض انتہائی قیمتی معلومات سے میری مدد فرمائی ہے۔ خدا تعالیٰ ان کے علم و عمل میں ترقی عطا فرمائے اور ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔

والسلام

محمد سلیمان اظہر

لاہور

۱۷ اگست ۱۹۷۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیث کی اہمیت:

علوم اسلامیہ میں حدیث نبوی ؐ کو جو اہمیت حاصل ہے۔ اس کا اندازہ "وما ینطق عن الھویٰ۔ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ علمہ شدید القویٰ" کی روشنی میں بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ یعنی آنحضرت ؐ کی تمام تر گفتگو کی بنیاد وحی الٰہی پر استوار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں خدائے بزرگ و برتر نے قرآن کریم کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے، وہیں اس کی تشریح و تفسیر کا ذمہ بھی اسی کا ہے۔ فرمایا "ان علینا جمعہ وقرآنہ۔ فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ۔ ثم ان علینا بیانہ" یہی تشریح و تفسیر حدیث کہلاتی ہے۔ اگر اسے پسِ پشت ڈال دیا جائے یا ترمیم و تحریف اس میں راہ پالے تو پھر "ان علینا بیانہ" کا معاملہ دگرگوں ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے جہاں قرون اولیٰ کے بزرگوں نے قرآنِ مجید کی جمع و تدوین میں انتہائی حزم و احتیاط اور کدوکاوش سے کام لیا وہیں احادیثِ نبوی ؐ کی جمع و تدوین اور حفاظت و تعلیم کیلئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ درحقیقت حدیث اور قرآن میں شرح و متن کی نسبت ہے۔ پھر یہ متن شرح میں اور شرح متن میں اس طرح درج ہیں کہ ایک کا اقرار و انکار دوسرے کا اقرار و انکار بن جاتا ہے۔ امام شاطبی رح فرماتے ہیں کہ سنت دراصل قرآن ہی کی ایک مفصل شکل ہے جو اس کی مشکلات کا بیان اور مختصر اشارات کی تشریح ہے۔ اسی لئے رسول ؐ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا۔ "ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ" امام اوزاعی رح فقیہہ شام فرماتے ہیں: "الکتاب احوج الی السنۃ من السنۃ الی الکتاب"۔ یہی بات امام مکحول رح، حافظ ابو عمر رح اور امام شاطبی رح نے بھی کہی ہے۔

کتابت و تدریس حدیث :-

حدیث کی اسی اہمیت کے باعث عہدِ رسالت میں ہی کتابت اور تعلیم حدیث کا رواج شروع ہو گیا تھا۔ عبد اللہ رضہ بن عمرو بن عاص، حضرت ابو ہریرہ رضہ، حضرت جابر رضہ بن عبد اللہ وغیرہ نے احادیث لکھیں اور ساری عمر ان کا درس دیتے رہے۔ حضرت عائشہ رضہ کے شاگرد عروہ بن زبیر نے انکی مرویات قلمبند کیں۔ آپ رضہ نے وفات رسول اللہ صلعم کے بعد قریباً نصف صدی درس حدیث دیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضہ بھی ساری عمر اسی شغل میں مصروف رہے۔ ان اکابرین کے اپنے حلقے تھے۔ موجودہ طرز کے مدارس کا رواج سلجوقیوں کے عہد میں پڑا۔ حلقہ ابن عباس رضہ، حلقہ ابن عمر رضہ اس دور کے مشہور حلقے تھے۔ ان بزرگوں نے علم حدیث کو عام کیا اور سارے اسلام میں جگہ بجگہ حلقہ ہائے درس و تدریس قائم ہو گئے۔ تا آنکہ حضرت عمر بن عبد العزیز رح کا دور آ گیا۔ اس بزرگ نے سوچا کہ "جس طرح اسلامی قانون کے ماخذ اوّل قرآن کریم کو دور صحابہ میں مدون و مرتب کر لیا گیا ہے۔ اسی طرح ماخذ ثانی حدیث رسول صلعم کو مرتب و مدون کر کے قیامت تک کے لیے محفوظ کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے گورنروں کو حکم بھیجا جنہوں نے اپنے علاقہ کے جید علماء سے درخواست کی کہ وہ علوم سنت کو کتابی شکل عنایت فرما دیویں۔

علاقائی مجموعہ ہائے حدیث :-

اس طرح یہ علم صحائف (صحیفہ صادقہ، صحیفہ ہمام) سے شہری مجموعوں کی صورت میں مرتب ہوا۔ یعنی ہر عالم نے اپنے اپنے شہر میں مروج احادیث کو جمع کر دیا۔ مدینہ میں محمد بن اسحاق رح۔ ابو بکر رح بن حزم۔ ابن شہاب زہری۔ مالک رح بن انس، مکہ میں ابن جریج رح۔ بصرہ

میں ربیع بن صبیح۔ سعیدؒ بن عروبہ۔ حمادؒ بن سلمہ۔ کوفہ میں سفیانؒ ثوری۔ رے میں جریرؒ بن عبدالحمید۔ مصر میں لیثؒ بن سعد۔ شام میں اوزاعیؒ۔ خراسان میں عبداللہؒ بن مبارک اور یمن میں معمرؒ بن راشد نے یہ فریضہ سرانجام دیا۔ سعدؒ بن ابراہیم کہتے ہیں کہ عمرؒ بن عبدالعزیزؒ (۹۹ تا ۱۰۱ھ) نے ہمیں حکم دیا۔ ان کے بعد اگرچہ سرکاری سرپرستی ختم ہوگئی لیکن محدثین کو ایسی چاٹ لگ گئی کہ دیگر ہر کام کا مزہ جاتا رہا۔ ان مجموعوں میں حضراتِ صحابہ کے فقہی فتاویٰ بھی ہوتے تھے۔

مسانید:۔ اس کے بعد امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے جب عالمگیر پیمانے پر فقہ کی تدوین کے کام کا آغاز کیا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ مقامیت ختم کرکے احادیث کے بڑے مجموعے تیار کئے جائیں تاکہ استفادہ میں سہولت رہے۔ لہٰذا مسندات کا دور شروع ہوا۔ سب سے پہلی مسند ابوداؤدؒ الطیالسی کی ہے جن کا سال وفات ۲۰۴ھ ہے۔ اس کے علاوہ مسند بقیؒ بن مخلد، مسند امام احمدؒ، مسند اسحٰقؒ بن راہویہ، مسند عثمانؒ بن شیبہ، مسند بزارؒ اور مسند عبد حمیدؒ مرتب کی گئیں اور بڑے پیمانے پر ان کی درس و تدریس کا کام ہوا۔ ان میں مختلف صحابہ کی مرویات ان کے ناموں کے تحت ترتیب وار ذکر کی گئیں۔

دورِ سنن:۔ تمدن کی ترقی سے قضا و افتاء کی ضروریات بڑھ گئیں۔ فقہا نے سرکاری عہدے قبول کرنے شروع کر دیئے۔ اب ایسی کتابوں کی ضرورت پڑی جن میں احادیث مضامین کی مناسبت سے درج کی گئی ہوں۔ اس طرح سنن کا رواج شروع ہوا جن کی تدوین میں فقہی ابواب کی ترتیب کا خیال رکھا گیا (مسند بقی بن مخلد میں صحابہ کی مرویات ان کے اسماء کے تحت فقہی ابواب کی ترتیب سے لکھی گئی ہیں اس لئے اسے مصنف بھی کہتے ہیں یہ گویا مسند اور سنن کی درمیانی کڑی تھی)۔ کتب سنن میں صحاح ستہ کا نام آتا ہے۔ امام سیوطیؒ

صحاح ستہ اور کتب صحاح میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صحیح ابن عوانہ۔ صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ کتب صحاح کہلاتی ہیں۔

معاجم :۔ دورِ سنن کے بعد معاجم کا دور آیا۔ یہ لفظ معجم کی جمع ہے۔ جن میں بترتیب حروفِ تہجی شیوخ بلدان کی احادیث بیان کی گئیں مثلاً معجم طبرانی کبیر و متوسط۔

مستدرکات :۔ بعد ازاں مستدرکات کی تالیف شروع ہوئی۔ مستدرک اس کتاب حدیث کو کہتے ہیں جس میں وہ احادیث دی گئی ہوں جو کسی مصنف کی کتاب میں نہ ہوں۔ حالانکہ اسکی شرائط پر پورا اُترتی ہوں۔ امام حاکم کی مستدرک علی الصحیحین سب سے زیادہ مشہور ہے۔

مستخرجات :۔ حافظ عراقی کے مطابق مستخرج کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مصنف کسی کتاب کی احادیث کو کتاب کے جامع و مؤلف کے علاوہ اپنی سند سے بیان کرے اور اس کی سند مؤلف کتاب کے ساتھ اوپر جاکر مل جائے مثلاً مستخرج ابی بکر اسماعیلی علی البخاری اور مستخرج ابی عوانہ علی المسلم۔

الاجزاء :۔ حدیث کی جس کتاب میں ایک ہی صحابی یا راوی کی مرویات جمع ہوں اسکو جزء کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر ایک ہی مسئلہ سے متعلق احادیث کو یکجا کر دیا جائے تو اسکو بھی جزء کہتے ہیں مثلاً جزء فی قیام اللیل للمروزیؒ۔

مزید برآں وہ علمائے حدیث جن کا ظہور عصر روائت کے بعد ہوا۔ انہوں نے پہلے سے موجود کتب حدیث کی تہذیب و ترتیب اور شرح و اختصار کا کام کیا مثلاً ابو عبد الحمیدی (ف ۴۴۸ھ) نے صحیحین کو مسانید کی طرز پر مرتب کیا۔ نور الدین علی الہیثمیؒ (ف ۸۰۷ھ) نے تمام کتب حدیث کی مرویات کو مجمع الزوائد میں جمع کر دیا۔ سب سے آخر میں امام سیوطیؒ (ف ۹۱۱ھ) نے صحاح ستہ، مسانید عشرہ اور ان کے علاوہ پچاس سے

زیادہ کتب کی مرویات کو جمع الجوامع المسمّٰی بالجامع الکبیر میں یکجا کر دیا۔

تالیف کتب حدیث کے ساتھ ساتھ ان کی تدریس و اشاعت کا کام بھی وسیع پیمانے پر ہوتا رہا ہے۔ ایک ایک محدث سے ہزاروں لاکھوں شاگردوں نے کسب فیض کیا۔ جہاں کوئی محدث بیٹھ جاتا۔ جنگل میں منگل کا سماں بندھ جاتا۔ شمع حدیث کے پروانے جوق در جوق زانوئے تلمذ طے کرنے کیلئے ہزاروں میل کا فاصلہ طے کرنے آنے لگے۔

لیکن یہ صورتِ حال زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ جب علم جرح و تعدیل۔ علم رجال الحدیث۔ علم مختلف الحدیث۔ علل الحدیث۔ غریب الحدیث اور ناسخ منسوخ۔ فی الحدیث میں علمائے گراں قدر تالیفات کر کے اس فن کو عروج کمال تک پہنچا دیا تو ان کے وارثوں کی ہمتیں شل ہوگئیں، انہوں نے مختلف مکاتیب فکر کی فقہ کا مطالعہ اپنا منتہائے نظر قرار دے لیا۔ علوم قرآن و سنت کی تدریس کا سلسلہ ختم کر کے مسائل شرعیہ میں تخریج در تخریج کا سلسلہ شروع کر کے باب اجتہاد بند کر دیا۔ اور "اختتم الاجتہاد علی العلامۃ النسفی صاحب الکنز" کے آوازے بلند ہونے لگے۔ کہاں یہ بلندی کہ بقول امام احمدؒ فتویٰ دینے کی اہلیت حاصل کرنے کیلئے لاکھوں احادیث یاد ہونا ضروری ہے اور کہاں یہ پستی کہ "من حفظ المبسوط فکان مجتہدًا" کا فیصلہ صادر کر دیا گیا۔ یہ فیصلے اسلام کی رُوح کے خلاف تھے۔ کیونکہ یہاں تو ہر طرف تفکر، تدبر، تعقل کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ لیکن فقیہان حرم نے اس شاہین کے گلے میں پٹہ ڈال کر قفس کا مجبور قیدی بنا دیا اور مینڈک کی کل کائنات کنوئیں کی وسعت تک محدود ہو کر رہ گئی۔

اسلام برصغیر میں :- ہندوستان میں اسلام اموئیوں کے دور میں آیا۔ محمد بن قاسم کے ساتھی اصحاب الحدیث تھے کیونکہ اس وقت تک

کسی فقہی مسلک کا وجود نہ تھا۔ اسی دور میں یہاں ایک محدث تابعی کا ورود مسعود ہوا جن کے اسم گرامی ربیع بن صبیح کا ذکر پہلے بھی گزر چکا ہے۔ یہ لوگ اپنی ذات میں انجمن تھے اور ہر محفل کی جان۔ یقیناً انہوں نے یہاں درس حدیث کا اہتمام کیا ہوگا۔ لیکن مرکزی اموی خلافت میں سازشوں کے باعث محمد بن قاسم کو واپس بلا لیا گیا اور فتح ہند ملتان تک محدود ہو کر رہ گئی۔ اس مفتوحہ علاقے کا رابطہ بھی مراکز علوم یعنی بغداد، کوفہ، حجاز وغیرہ سے دور ہونے کے باعث کٹا رہا۔ اس لئے یہاں علوم سنت کی کماحقہ، ترویج و تدریس نہیں ہو سکی۔

اسلام نے محمود غزنوی کی صورت میں دوسری مرتبہ ہند میں یلغار کی محمود شافعی مسلک کا حامل تھا اسے ہندوستان میں کوئی علمی مہم سر کرنے، مدارس قائم کرنے یا علماء کو یہاں تبلیغ کیلئے متعین کرنے کی فرصت نہ مل سکی۔ اس طرح اس کے یہ حملے یادر ہوا ثابت ہوئے۔ پھر یہاں دہلی کو راجدھانی بنا کر شہاب الدین غوری، اور قطب الدین ایبک نے مسلمانوں کی حکومت کی بنیاد رکھی۔ یہ سب لوگ فوجی تھے بہت سی صفات کے حامل تھے لیکن آئے دن کی لڑائیوں، بغاوتوں اور مہموں کے باعث درس و تدریس کی سرپرستی نہیں کر سکے۔ چنگیز اور ہلاکو کے حملوں نے جب ساری دنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا تو صرف ہندوستان ہی ایسا علاقہ تھا جو محفوظ رہا۔ اسی لئے بے شمار علماء عراق و شام سے بھاگ کر دربار دہلی میں پناہ گزین ہو گئے۔ یہ لوگ محدث نہیں تھے مقلد محض تھے اور عموماً مذہب حنفی کے پیروکار تھے۔ اگرچہ کام عموماً تھا لیکن ان کا نام بہت بڑا تھا۔ ہند کے مسلمانوں نے ان کی خوب آؤ بھگت کی۔ ان کے نظریات و اعتقادات کو خوش آمدید کہا۔ اس طرح یہاں تقلید اور

فقہ کا مکمل کنٹرول ہو گیا۔ قرآن اور حدیث کو مقفل کر کے باب اجتہاد بند کر دیا گیا۔ مزید یہ کہ ہندوستان کی سرکاری زبان فارسی تھی۔ اور کتب علوم قرآن و حدیث عموماً عربی میں تھیں۔ عام لوگ ان سے استفادہ ہی نہیں کر سکتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہالت کی تاریکی میں ہولناک اضافہ ہوتا رہا۔

روشنی کی کرن :۔ خدا رحمت کرے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ پر جس نے صدیوں کی جمی ہوئی برف کو توڑنے کی کوشش کی جس نے تقلید جامد کا بندھن ڈھیلا کرنے کی مقدور بھر سعی کر کے حدیث رسولؐ کی اہمیت اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ مورخ فرشتہ نے ان کا ایک مناظرہ نقل کیا ہے جو قاضی رکن الدینؒ سے مسئلہ سماع کے بارے میں ہوا۔ قاضی صاحب نے پوچھا کہ آپ کے پاس سماع کے جواز کی کون سی دلیل ہے۔ خواجہ صاحب کوئی محدث یا فقیہہ نہیں تھے۔ انہوں نے امام غزالی کا یہ فقرہ سن رکھا تھا۔ "السماع مباح لاھلہ" یہ فقرہ اس قدر زبان زد عام تھا، کہ "حب الوطن من الایمان" کی طرح اسے بھی حدیث رسول سمجھا جاتا تھا۔ خواجہ صاحب نے بھی اسے حدیث رسول سمجھ کر بیان کر دیا۔ لیکن جواب کیا ملا؟۔ اس دور کا نامور فقیہہ بھی نہیں جانتا کہ یہ امام غزالی کا فتویٰ ہے، حدیث نہیں ہے۔ اس لئے وہ اس پر کوئی فنی اعتراض کرنے کی بجائے کہتا ہے کہ خواجہ صاحب آپ بھی مقلد ہیں آپ کو امام ابوحنیفہؒ کا کوئی قول پیش کرنا چاہیئے۔ حدیث رسولؐ سے کیا سروکار۔ خواجہ نظام الدینؒ فرمانے لگے۔ سبحان اللہ! میں تو حدیث رسولؐ سناؤں اور تو قول ابی حنیفہؒ طلب کر رہا ہے"۔ مزید فرمایا کہ "وہ ملک کیوں کر آباد رہے گا۔ جس میں احادیث رسولؐ پر آرا کو ترجیح حاصل ہو"۔ انہوں نے زمانے کے عام دستور کے خلاف عمل بالحدیث

کا بھی کسی قدر اہتمام کیا۔ یہ بھی ذکر ملتا ہے کہ وہ فاتحہ خلف الامام کے قائل و عامل تھے۔
پھر علماؤں میں ہمیں ایک شخصیت نظر آتی ہے۔ جو سلطان سکندر لودھی کے عہد میں ہند میں وارد
ہوئی اُن کا اسم گرامی شیخ سید رفیع الدین شیرازی ہے جو نویں صدی کے بڑے
محدثین میں سے تھے۔ ہندوستان میں بڑے بڑے علماؤں نے فن حدیث میں ان کی شاگردی
کی۔ شاہ عبدالحق محدث کے عہد سے پہلے برصغیر میں علوم حدیث کا جس قدر چرچا ہوا وہ
انہی کے باعث تھا۔ ان کے شاگرد مولانا جمال الدین تمام علوم و فنون میں استادِ وقت
تسلیم کئے گئے۔ دہلی میں صرف وہی ایک بزرگ تھے جن کے یہاں محدثین کے طرز پر
کتب صحاح کی تعلیم ہوتی تھی۔ لودھیوں کے دورِ آخر میں شیخ عبدالحق حجاز سے واپس
آئے، ان کی درس و تدریس نے ملک میں ایک سلسلۂ تعلیم قائم کر دیا۔ ہندوستان
کے ساحلی مقامات میں شیخ علی المتقی، شیخ عبدالوہاب اور شیخ طاہر وغیرہ اصحاب الحدیث
پیدا ہوئے۔ شیخ عبدالحق انہی بزرگوں کے فیض یافتہ تھے۔ شاہ عبدالحق محدث نے
تعلیم و تعلم کے علاوہ تراجم کا سلسلہ بھی شروع کیا اور ملک کی عام زبان فارسی میں
مشکوٰۃ کا ترجمہ کیا۔ لیکن یہ سب کوششیں اتنے بڑے ملک میں سمندر اور قطرے
کی مناسبت سے زیادہ نہ تھیں۔

مغلیہ دور: ہندوستان میں وسیع پیمانے پر اسلامی علوم مغلوں کے دور میں آئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغلوں کا وجود ہی
اسلامی تنزل کی پیداوار تھا۔ گویا یہاں علوم اسلامیہ کی درس و تدریس کی بنیاد
ہی تنزل سے پڑی۔ اکبر کے عہد سے پہلے تک تعلیم زیادہ تر فقہ و اصول فقہ تک
محدود تھی۔ حدیث گوشۂ نسیان میں ڈال دی گئی تھی۔

پھر اکبر کے عہد میں ایران سے معقولات کا نیا سیلاب اُٹھا۔ مرزا فتح اللہ شیرازی وغیرہ نئے نئے حاشیے اور شرحیں لائے اور معقولات کے آگے فقہ و اصول کی بھی نہ چل سکی۔ اور رفتہ رفتہ درسیات نے وہ شکل اختیار کر لی جس کا غالب حصہ معقولات پر اور وہ بھی قدماء کے طریق پر نہیں بلکہ متون و شروح و حواشی متاخرین پر مشتمل ہے۔

اکبر کے دور میں جب ملا مبارک خاندان کو عروج حاصل ہوا تو دربار شاہی کی مذہبی حالات دگرگوں ہو گئی۔ ابوالفضل اور فیضی کی تحریک پر اس وقت کے علماء نے اکبر کے امام وقت ہونے کا محضر تیار کیا پھر تصدیق و دستخطوں کیلئے دوسرے علماء کے سامنے پیش کیا۔ تو علماء حق مصائب کو برداشت کر سکنے کا حوصلہ نہ رکھتے ہوئے پردہ اخفا میں چلے گئے۔ ملا عبداللہ سلطان پوری مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی صدر الصدور کی حیلہ سازیوں نے علوم حدیث اور ان کے خدام کو سخت دگرگوں حالات سے دوچار کر دیا۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی:۔ یہ صورت حال ایک مجدد کی متقاضی تھی۔ اگرچہ دیگر بڑے علماء بھی موجود تھے، اور ہندوستان حق پرستوں کے وجود سے خالی نہیں ہو گیا تھا۔ لیکن جس طرح فتنہ خلق قرآن کے وقت سب نامی علماء خوف و دہشت کے باعث خاموش زندگی گذارنے پر مجبور ہو گئے تھے اور باطل نظریات کی علی الاعلان تردید اور اس راہ میں مصائب و مشکلات برداشت کرنے کی سعادت امام اہل السنۃ حضرت احمد رحمۃ اللہ علیہ بن محمد بن حنبل کے حصہ میں آئی اور جس طرح یہی سعادت دور وسطیٰ میں اعاظم رجال کی موجودگی کے باوجود مجاہد سیف و قلم شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ بن تیمیہ الحرانی کے حصہ میں آئی اسی طرح

سرہند کے شیخ مجدد الف ثانی کا وجودِ گرامی ہی تن تنہا اس کاروبار کا کفیل ہوا۔ شیخ جلال رح تھانیسری۔ مولانا یعقوب رح کشمیری۔ ملا قطب الدین رح سہالوی۔ شیخ عبدالحق رح محدث۔ ملا عبدالحکیم رح سیالکوٹی وغیرہم اپنے اپنے وقتوں میں علم و تعلیم کے بادشاہ تھے مگر دوسرے گوشوں اور کاموں میں وقت بسر کر گئے۔ اس راہ میں تو ایک قدم بھی نہ اٹھ سکا۔ اصحاب طریقت میں سے حضرت خواجہ باقی باللہ رح دہلی میں عہدِ اکبری میں موجود تھے۔ لیکن وہ خود کہتے تھے کہ میں چراغ نہیں ہوں، چقماق ہوں۔ صورتِ حال پر سب افسوس زدہ تھے۔ آہ و فغاں بھی کرتے تھے۔ مگر اس سے آگے معاملہ نہیں بڑھا۔ ہندوستان میں سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ تمام عوام و خواص پر تصوف کا رنگ نمایاں تھا لیکن تصوف صالح کا جوہر پاک جہل و بدعت کی آمیزش سے یکسر مکدر ہو چکا تھا۔ سارا ملک علوم شریعت سے بے گانہ محض خانقاہوں اور سجادہ نشینی کے سلسلوں کے جال میں جکڑا ہوا تھا۔ دوسری طرف عہدِ اکبری کی بدعات تخت و تاج حکومت کے زور سے ہر طرف پھیل چکی تھیں اور علماءِ سوء و مشائخ دنیا پرست ان کے احداث و اشاعت کے نقیب تھے۔

اس عالم میں جب کہ مدارس بھی بہت تھے۔ خانقاہیں بھی بے شمار تھیں لیکن کون تھا جو امن و عافیت کے گوشہ سے نکل کر میدان میں آتا؟ یہ شرف حضرت مجدد کو حاصل ہوا۔ جن کی مساعی کے باعث تقلید جامد کی گرفت ڈھیلی ہوئی۔ اجتہاد کا دروازہ کھلنے کے آثار پیدا ہوئے۔ بدعات و جہالت کے خلاف صحیح اسلامی تعلیمات اجاگر ہوئیں۔ جن کے زیرِ اثر تیرھویں صدی ہجری میں امام الہند شاہ ولی اللہ رح منظرِ عام پر آئے۔

امام الہند شاہ ولی اللہؒ:۔ شاہ صاحب نے اس وقت جب کہ فتاویٰ عالمگیری اور ہدایہ علوم اسلامیہ کی ہند میں کل کائنات تھی۔ علوم قرآن و حدیث کی ترویج و اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے حدیث کی اوّلین تالیف موطا امام مالکؒ کی دو شرحیں فارسی اور عربی میں المسوّیٰ اور المصطفیٰ کے نام سے تالیف کیں اور اپنی لافانی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ کا عظیم تحفہ ہند کے عوام کو پیش کرکے یہ بتا دیا کہ حدیثِ رسولؐ ہی ہمارے تمام مسائل کا حل ہے۔ انہوں نے علوم سنت کے ایسے اسرار سے پردہ اٹھایا جن کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ مجھ سے پہلے کسی کی نظر ان تک نہیں پہنچ سکی ہے

وانی وان کنت الاخیر زمانۃ لاٰت بما لم تستطعہ الاوائل

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ:۔ شاہ صاحب کے صاحبزادوں نے مدرسہ رحیمیہ دہلی کی مسند کو یکے بعد دیگرے رونق بخشی۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگردوں کا سلسلہ سمرقند و بخارا اور مصر و شام تک پھیلا ہوا تھا۔ لیکن ابھی تک بھی علوم سنت کا حق ادا نہیں ہوا تھا۔ تجدید و تدوین علوم و معارف اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ اصحاب استعداد تک محدود رہا۔ اس سے آگے نہ بڑھ سکا تھا۔ فعلاً عمل و نفاذ اور ظہور و شیوع کا پورا کام ابھی کسی مردِ قلندر کا منتظر تھا اور خدا نے یہ منصب شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ یہ ہے کہ اگر خود شاہ ولی اللہؒ بھی زندہ ہوتے تو شاہ شہیدؒ ہی کے جھنڈے تلے نظر آتے۔ اس سلطان وقت نے ایک ہنگامہ بپا کر دیا۔ دہلی کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر تعلیم و عمل بالحدیث کا چرچا ہو گیا۔

جن باتوں کے کہنے کی بڑوں بڑوں کو بند حجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی، وہ سچی باتیں اب سرِ بازار کہی جا رہی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں عمل بالحدیث کو فروغ اور تقلید جامد کو زوال اسی پاکباز ہستی کے طفیل ہوا۔ آخر اپنی مردانہ وار کوششوں کے باعث سرحد میں ایک چھوٹی سی خالص اسلامی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور بعد ازاں اعلاءِ کلمۃ اللہ کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے بالاکوٹ کی پہاڑیوں میں مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ یہ ۱۸۳۱ء کا واقعہ ہے۔

سید نذیر حسین محدث :- شاہ اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت تعلیم و عمل بالحدیث کا خاتمہ نہیں بلکہ آغاز ثابت ہوئی کیونکہ ان کی تحریک سے متاثر افراد نے سارے ملک میں پھیل کر قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں بلند کرنا شروع کر دیں۔ دہلی میں شاہ محمد اسحاقؒ صدر الحمید نے مسند تحدیث کو رونق بخشی اور ان کی ہجرت مکہ کے بعد اُن کے رُوحانی فرزند حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی نے ۶۰ برس تک علم حدیث کی اس قدر خدمت کی کہ نہ اس سے پہلے اس کی مثال مل سکتی ہے اور نہ اس کے بعد۔ میاں صاحب خود فرماتے ہیں کہ مجھ سے پہلے جو شخص ہدایہ پڑھایا کرتا تھا اس کے گھر پر بطور اعزاز جھنڈا لہرایا کرتا تھا۔ لیکن میں نے اسے "کریما مقیماں" بنا دیا ہے۔ ایک اور موقع پر فرمایا کہ میں نے صحاح ستہ کو گلستان بوستان بنا دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہند کی سرکاری زبان فارسی ہونے کے باعث شیخ سعدیؒ کی گلستان بوستان سکولوں اور مدارس کے نصاب کا ابتدائی حصہ تھی اور معمولی تعلیم یافتہ شخص بھی ان کتابوں کو پڑھا ہوا ہوتا تھا۔ میاں صاحب نے علوم

حدیث کو اتنا عام کردیا کہ ملک کے قریہ قریہ میں صحاح پر عبور رکھنے والے افراد نظر آنے لگے ۔ اس سے قبل اگرچہ الٰہ آباد میں شاہ محمد فاخر زائرؒ (ف ۱۱۶۴ھ) اور اسی زمانہ میں موضع لہرا ضلع اعظم گڑھ میں شاہ ابو اسحاقؒ تحدیث و عمل بالسنۃ کی مشعل گرما چکے تھے جن کے باقیات میں سے "نور العینین فی اثبات رفع الیدین" موجود ہے' ادھر دہلی میں ہی مرزا مظہر جان جاناں شہید (ف ۱۱۹۰ھ) یاران طریقت کو راہ سنت دکھا چکے تھے لیکن زمانے کے عام رواج اور غلبہ تقلید کے باعث یہ لوگ منظم طریق سے کام نہ کر سکے ۔ خود مدرسہ رحیمیہ دہلی سے بیہقی وقت علم الہدیٰ قاضی ثناء اللہ پانی پتی بھی فیض اٹھا کر اپنے حصے کا کام کر چکے تھے ' لیکن شیخ الکل کا منصب ایک ایسی خلعت تھی جو میاں صاحب کے جسم ہی کے لئے بنائی گئی تھی ۔ اس لئے اُن کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا جاتا ہے ۔

آپ منگیرہ صوبہ بہار کے سورج گڈھی خاندان سادات کے رکن تھے ۔ آپ کے سلسلہ نسب میں امام حسنؓ اور امام آخر الزمان (اگر وہ ہوں گے) کے سوا باقی دس امام موجود ہیں ۔ ۱۲۵۸ء میں شاہ محمد اسحاق آپ کو تحریری سند و اجازت دیکر حازم حجاز ہوئے اور آپنے پوری دلچسپی ' خلوص ' للّٰہیت اور سلف صالحین کی منفرد شان کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا ۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب وہابی اور باغی کے لفظ مترادف ہو گئے تھے اور جنگ کے بعد عاملین سنت کو وہابی قرار دیکر دار و گیر کا سلسلہ شروع کر کے ۶۵ ۔ ۱۸۶۴ء میں وہابیت کا مشہور مقدمہ پٹنہ ' دانا پور ' میرٹھ اور انبالہ وغیرہ میں چلایا گیا تو میاں صاحب بھی اسکی لپیٹ میں آگئے اور ایک سال تک راولپنڈی میں قید و بند کے مصائب برداشت

کر کے امام احمدؒ۔ امام ابن تیمیہؒ اور شیخ مجددؒ کی صف میں کھڑے ہو گئے۔ گھر کی تلاشی ہوئی، تو بے شمار خطوط برآمد ہوئے۔ پوچھا گیا کہ آپ کو اس قدر خطوط کیوں آتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا، اس کی وجہ تو بھیجنے والوں سے پوچھنی چاہیئے۔ خطوط پڑھے گئے تو ان میں فتاویٰ کے سوالات۔ کتب کے بارے میں استفسارات اور حوالہ جات کی دریافت کے سوا کچھ نہ تھا۔ مثلاً ایک خط میں لکھا تھا کہ نخبۃ الفکر بھیج دیجئے۔ مخبر نے کہا کہ یہ اصطلاحی الفاظ ہیں۔ میاں صاحب جلال میں آ گئے۔ فرمانے لگے نخبۃ الفکر کیا؟ توپ۔ نخبۃ الفکر کیا؟ بندوق ۔ نخبۃ الفکر کیا؟ گولہ بارود، بالآخر آپ کو رہا کر دیا گیا۔

۱۳۰۰ھ میں جب آپ حج کیلئے تشریف لیگئے تو دیار مقدسہ میں بھی آپ نے تعلیم و عمل بالحدیث کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہاں آپکو گرفتار بھی کروایا گیا۔ لیکن الزامات درست نہ ہونے کے باعث رہا کر دیئے گئے۔ پھر حاسدین نے آپکو قتل کرنیکا منصوبہ بنایا۔ ساتھیوں نے بتایا کہ حضور اب تو حد ہو چکی ہے وعظ بند فرما دیں، جان کی خیر نظر نہیں آتی۔ میاں صاحب نے فرمایا "سنو صاحب بہت جی چکا اب زندگی کی تمنا نہیں ہے۔ امام نسائیؒ بھی مکہ ہی میں شہید ہوئے تھے، اسی حرم میں جہاں کہ میرے قتل کا منصوبہ ہو رہا ہے۔ میں ہر وقت اپنے قتل پر آمادہ ہوں، مگر تبلیغ سے باز نہ آؤنگا۔ آپکے تلامذہ اقطاع عالم یعنی حجاز۔ مکہ مدینہ۔ یمن۔ نجد۔ شام حبش۔ ٹیونس، الجزائر، کابل، غزنی، قندھار، پشاور سمرقند، بخارا، داغستان، ایشیائے کوچک، ایران، چین تک پھیلے ہوئے تھے۔ علامہ رشید رضا ایڈیٹر "المنار" لکھتے ہیں کہ عالم عرب میں علم حدیث ختم ہو چکا تھا، ہندوستان سے درآمد کرنا پڑا۔

میاں صاحب کے شاگرد بیشمار ہیں۔ آج برصغیر پاک و ہند کا ہر عالم حدیث بالواسطہ طور پر آپ کا شاگرد ہے۔ آپکے نامور شاگردوں میں حضرت شاہ عین الحقؒ پھلواروی، علامہ شمس الحقؒ ڈیانوی جنہوں نے ابوداؤد کی شرح عون المعبود لکھی جو ۴ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے اور اسی کتاب کی ایک اور شرح غایۃ المقصود کے نام سے لکھی جس کی ۳۲ جلدوں میں سے صرف ایک ابھی تک شائع ہو سکی ہے۔ مولانا عبدالعزیزؒ رحیم آبادی،

سید عبداللہؒ غزنوی، حضرت الامام سید عبدالجبارؒ غزنوی، مولانا عبدالواحدؒ غزنوی، مولوی محمد حسینؒ لکھوی
مولانا ابوسعید محمد حسینؒ بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ و صاحب منح الباری ترجمہ صحیح بخاری، میاں غلام رسولؒ
قلعہ میہاں سنگھ، مولانا عبدالوہابؒ ملتانی، مولانا عبدالحقؒ ملتانی، مولانا عبدالتوابؒ ملتانی۔ استاد پنجاب حافظ
عبدالمنانؒ وزیرآبادی، علامہ عبدالرحمٰنؒ مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی، مولانا محمد فقیرؒ جہلمی،
مولوی عبدالحلیم شررؒ، علامہ وحیدالزمانؒ صاحب تراجم صحاح ستہ۔ استاذ الاساتذہ حافظ عبداللہ صاحبؒ غازیپوری، فاتح
قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناءاللہؒ امرتسری، مولانا محمد ابراہیمؒ میر سیالکوٹی، مولانا ابوالقاسم سیفؒ بنارسی، مولانا احمداللہؒ
پرتاپ گڈھی، مولوی امیر حسن محدث، مولانا ابویحییٰ محمد شاہجہان پوری صاحب الارشاد الی سبیل الرشاد، مولانا محمد ابراہیم
آروی بانی مدرسہ احمدیہ آرہ۔ ڈپٹی سید احمد حسنؒ صاحب احسن التفاسیر اور ان جیسے بہت سے دیگر حضرات شامل ہیں۔
ان میں کا ہر ایک آسمانِ علم کا آفتاب و ماہتاب ہے اور یہ وہ لوگ جنہوں نے ہندوستان سے تقلید و جمود کو
جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیا اور برصغیر کی فضا کو دینِ محمدؐ کی خوشبو سے زعفران زار بنا دیا۔ برصغیر کے مشہور صوفی شاعر
خواجہ غلام فرید فرماتے ہیں کہ سید نذیر حسین اسلام کی عظیم خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ حدیث کی ترویج و اشاعت
میں انہوں نے جو کوشش کی ہے وہ مہتم بالشان ہے۔ خواجہ صاحب کے مریدوں نے اس رائے پر یہ اعتراض
کیا کہ میاں صاحب تو وہابی ہیں اور آپ اُن کی خدمات کا اعتراف کر رہے ہیں۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اگر وہابیت
یہی ہے تو اس میں کون سی بُری بات ہے۔ وہ تو پکے از اصحاب رسولؐ معلوم ہوتے ہیں۔

میاں صاحب کے شاگردوں کی مساعی کا ذکر کرنے سے پہلے اُن کے ایک معاصر کا تذکرہ نہایت
ضروری ہے۔ اور وہ نواب سید صدیق حسنؒ آف بھوپال کی ذات گرامی ہے۔ جس طرح میاں صاحب نے تدریسی
فرائض کو سنبھال رکھا تھا اسی طرح تصنیف و اشاعت کے سلسلہ میں اس برصغیر میں کسی کی خدمات نواب صاحب
سے زیادہ نہیں ہیں۔ انہوں نے علوم حدیث کی اشاعت کیلئے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ حدیث یاد
کرنیوالوں کو وظائف دیئے۔ بیشمار کتب اپنے ذاتی خرچ پر طبع کروا کے مفت تقسیم فرمائیں۔ اس کے علاوہ خود تین
سو کے قریب مفید ترین کتب تصنیف کر کے قریہ قریہ میں دین حق کی آواز کو پہنچا دیا۔ دوسری کتابوں کے علاوہ
فتح الباری جیسی ضخیم کتاب مصر سے چھپوا کر ہندوستان میں مفت تقسیم فرمائی۔ اس طرح یہ کتاب پہلی بار برصغیر

کے لوگوں کو اپنے ملک میں بیٹھ کر دیکھنے اور پڑھنے کو مہیا ہوئی۔ عون الباری لحل ادلۃ البخاری، توفیق الباری ترجمۃ الادب المفرد، السراج الوہاج شرح مسلم، بلوغ المرام کی تین شروح، مسک الختام، فتح العلام الروض البسام کے ناموں سے لکھ کر شائع کروائیں۔ اتحاف النبلاء جیسی بے مثال کتاب تصنیف فرمائی۔ اسکے علاوہ آپنے علماء اور مدارس کی سرپرستی فرمائی تاکہ یہ طبقہ فکر معاش سے آزاد ہو کر خدا لگتے دین کی خدمت کرے۔ اصول حدیث پر بھی آپنے قلم اٹھایا اور منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول تالیف فرمائی۔ یہ خدمات آپکے جدی اثرات کی مظہر ہیں۔ انکے سلسلہ نسب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ سید جلال الدین کبیر بخاری مدفون اُچ (جن کا مزار مرجع عوام ہے) چھٹی اور ساتویں صدی کے درمیان ہندوستان آئے۔ ان کی اولاد میں سے ہر ایک قطب تسلیم تھا۔ نواب صاحب کے انہی اجداد میں سے ایک مخدوم جہانیاں حسین بن احمد بخاری (مدفون اُچ) ہیں جو برصغیر اور ایران میں وسیع پیمانے پر متعارف ہیں۔ باوجودیکہ انہیں حنفی سمجھا جاتا ہے مگر وہ عامل بالحدیث تھے اور ان کے ملفوظات میں فاتحہ خلف الامام اور نماز جنازہ غائبانہ کے مسائل مطابق حدیث موجود ہیں۔ مزید مطالعہ کیلئے نزہۃ الخواطر کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

عارف باللہ سید عبداللہ غزنوی رح:۔ برصغیر میں تعلیم و عمل بالحدیث کے سلسلہ میں حضرت الامام سید عبداللہ غزنوی کا تذکرہ کئے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ آپنے افغانستان میں جنم لیا۔ شیخ حبیب اللہ قندھاری اور میاں صاحب سید نذیر حسین سے کسب فیض کیا۔ اپنے علاقے میں جا کر تقلید و جمود کی بندشیں توڑ کر عمل بالحدیث کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چونکہ آپکا خاندان مرجع عوام و خواص تھا۔ اسلئے آپنے زور شور سے تعلیم الحدیث کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ فرماتے تعجب ہے کہ صحیح حدیث جو صرف چند واسطوں سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ جاتی ہے اُسے تو چھوڑ دیا جائے اور فقہ جس کے ناقل مفتی اور قاضی ہیں اور انکے متعلق بھی علم نہیں کہ کن واسطوں سے یہ باتیں آئمہ کرام تک پہنچی ہیں اور صحیفہ "وما ینطق عن الھویٰ" جیسی لسان حق ترجمان کے مقابلے جس کی کوئی حیثیت بھی نہیں ہے، اسے کسی حیل و حجت اور چون و چرا کے بغیر تسلیم کر لیا جائے۔ علماء سوء کو آپ کا یہ نعرہ مستانہ گراں گذرا۔ انہوں نے حضور شاہ میں چغلی کھائی کہ "اگر اس زمانے میں بھی خدا کا نام لے رہا ہے"۔ نتیجتاً آپکو اپنی آبائی جائداد سے جو لاکھوں روپے مالیت رکھتی تھی۔ بیدخل کر کے جلا وطن کر دیا گیا۔ آپ ہجرت کر کے امرتسر تشریف لے آئے اور ظلمت کدہ ہند میں چراغ سنت جلا دیا اور مدرسہ سلفیہ

تقویۃ الاسلام قائم کر کے علوم سنت عوام الناس تک پہنچانے کا فریضہ سنبھال لیا۔ اس مدرسے نے جن ہستیوں کو جنم دیا ان میں خود حضرت غزنویہ کے علاوہ حافظ عبداللہ صاحب روپڑی، مولانا نیک محمد، مولانا عبدالقادر ... مولانا محمد علی لکھوی، مولانا عطاء اللہ لکھوی، شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی اور مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی جیسے حضرات شامل ہیں۔ مدرسے کے علاوہ آپ نے یہاں بیعت و تصوف کا سلسلہ بھی شروع کیا جس سے ہزارہا افراد کی کایا پلٹی۔ ان کے عقائد و اعمال میں نمایاں تغیرات پیدا ہوئے۔ آپ کی اس ادا نے وہ اثر کیا جس کی زمانہ حال میں کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادگان والا تبار نے مسند دعوت و ارشاد اور تصنیف و تالیف کے ضمن میں عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ بہت سی کتب حدیث کے تراجم کر کے حدیث کے چشمہ صافی کا پانی ہر ایک کیلئے سہل الحصول بنا دیا۔

حافظ عبداللہ غازی پوری: برصغیر میں معلمین حدیث کی صف میں استاذ الاساتذہ حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری کا اسم گرامی بڑی آن بان کے ساتھ نظر آتا تھا۔ پہلے حنفی تھے اور اسی مسلک کے مدرس تھے۔ بعد ازاں کچھ تو اپنی تحقیق پسند طبیعت کے باعث اور کچھ ایک ملاقات کے باعث جو خواب میں سید البشر آنحضرت ﷺ سے ہوئی آپ نے تقلید کا جامہ اتار پھینکا اور حدیث مصطفیٰ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ فرماتے ہیں کہ "جب میں نے عمل بالسنۃ شروع کیا ان دنوں کوتوالی مسجد کا امام اور مدرسہ چشمہ رحمت کا مدرس تھا۔ کوتوالی مسجد میں نمازیوں کا اژدہام ہوا کرتا تھا۔ نماز مغرب میں جب میں نے پہلی بار آمین باواز بلند کہی تو تمام مقتدی میرے پیچھے سے ہٹ گئے اور مجھے سخت سست کہنے لگے۔" ترک تقلید کے بعد آپ میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کسب فیض کیا اور مولانا محمد ابراہیم صاحب آروی کے اصرار پر مدرسہ احمدیہ آرہ کی قیادت منظور فرمائی۔ ۲۰ سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر آپ دہلی منتقل ہو گئے۔ ۸ سال تک وہاں پڑھاتے رہے۔ آپ کے تلامذہ میں شاہ عین الحق پھلواروی، مولانا عبدالسلام و عبدالرحمن مبارکپوری، سید محمد داؤد غزنوی جیسے اکابر شامل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت میاں صاحب کے بعد کسی استاد کے حلقہ درس میں اتنے طلباء شامل نہیں ہوئے جس قدر آپ کے حلقہ درس میں۔

علامہ عبدالرحمن مبارکپوری: آپ میاں صاحب سے کسب فیض کے بعد مدرسہ احمدیہ آرہ، مدرسہ بلرام پور، مدرسہ گونڈہ، مدرسہ کوٹولہ کلکتہ اور مدرسہ میاں صاحب دہلی میں پڑھاتے رہے۔ آپ کے شاگرد بے شمار تھے۔ چند نامی حضرات یہ ہیں: مولانا عبدالسلام مبارکپوری، [illegible] نعمت اللہ

بنگالی، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی والدِ قاری عبدالخالق رحمانی، شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی حال استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ۔ آپ نے جامع ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی تالیف فرمائی، حالت یہ تھی کہ ہندوستان میں جامع ترمذی کے حواشی اور شروح سب کے سب حضرات مقلدین کے معمل بنے ہوئے تھے جن کے توسط سے ترمذی جیسی کتاب کو فقہ حنفی کے تابع کر لینا ایک نظر کا کھیل تھا۔ آپ نے ان حالات میں ابدالآباد تک قائم رہنے والی، تحفۃ الاحوذی حوالہ قلم و قرطاس فرمائی۔ اس کے علاوہ آپ نے تحفۃ الاحوذی کا مقدمہ بھی لکھا۔ ابکار المنن فی تنقید آثار السنن، تحقیق الکلام فی وجوب القرأۃ خلف الامام جیسی کتب کے مصنف بھی آپ ہی ہیں۔

استاذ پنجاب حافظ عبدالمنانؒ وزیر آبادی

:- آپ بھی اس سلک مروارید میں منسلک ہیں۔ آپ نے نواب آف بھوپال اور میاں صاحب سے کسب فیض کیا۔ وزیر آباد میں ایک دار الحدیث کی بنیاد رکھی اور ۷۰ بار مکمل صحاح ستہ پڑھائی۔ یہاں آپ نے بیالیس سال تک درس حدیث دیا اور عمل بالحدیث کا اہتمام کیا۔ جاہلوں نے مخالفت کی انتہا کر دی۔ آپ نابینا تھے، فرماتے ہیں کہ مجھے بعض اوقات گٹھڑی کی طرح باندھ کر باہر کھیتوں میں پھینک دیا جاتا۔ بعض متشدد لوگ آپ سے حدیث پڑھنے آتے مگر یہ شرط کر لیتے کہ حدیث تو آپ سے پڑھیں گے مگر نماز آپ کے پیچھے نہیں پڑھیں گے۔ آپ اس شرط کو خوشی منظور فرما لیتے۔ عقیدتمند اعتراض کرتے تو فرماتے کہ بھائی یہ اُن کی نگاہ انتخاب ہے۔ انہوں نے مجھے جس قابل پایا اس کا فائدہ اٹھانا چاہا۔ پھر یہ ہوا کہ وقت گزرنے پر یہی متشدد شاگرد رو رو کر آپ کے پاؤں پڑتے اور معافیاں مانگتے۔ میاں صاحب نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ تم نے عبدالجبار غزنوی اور حافظ محمد بن بارک اللہ کے ساتھ مل کر پنجاب میں تبلیغ توحید و سنت کر کے میرے دل کو ٹھنڈک پہنچائی ہے۔ پھر اپنی پگڑی اتار کر آپ کو دیدی اور فرمایا عبدالجبار کو کہنا کہ تم یہ پہنو۔ آپ کے نامور شاگردوں میں مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد علی لکھوی، میاں محمد باقر، مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ اور قاضی عبدالرحیم قاضی کوٹی جیسے اکابر شامل ہیں۔

دیگر اصحاب تصانیف

:- علامہ محمد بہاری نے مجمع بحار الانوار (لغت حدیث) جیسی عظیم کتاب دنیا کو پیش کی۔ ڈپٹی سید احمد حسن صاحب احسن التفاسیر نے تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ لکھی۔ مولانا ابوالحسن سیالکوٹی نے ۳۰ جلدوں میں فیض الباری شرح اُردو صحیح بخاری لکھی۔ مولانا شرف الدین دہلوی نے مسند امام احمد شرح لکھی، لیکن یہ تا حال طبع نہیں ہو سکی۔ مولانا محمد جونا گڑھی نے سلسلہ محمدیات میں ۶۰ کتب تالیف فرمائیں، جیسے صلوٰۃ محمدی، زکوٰۃ محمدی، حج محمدی، امام محمدی وغیرہ۔

مولانا عبدالوہاب علی جان نے تسہیل درایۃ الموطا لکھی۔ سید نذیر الدین احمد بنارسی نے قاضی عیاض کی شفا کی شرح لکھی۔ مولانا ابوالقاسم بنارسی نے حل مشکلات بخاری۔ مولانا عبدالسلام بستوی نے شرح ابن ماجہ۔ مولانا خرم علی بلہوری نے ترجمہ مشارق الانوار۔ حافظ محمد لکھوی نے فقہ الحدیث یا انواع محمدی منظوم۔ علامہ ڈیانوی نے فضل الباری ترجمہ ثلاثیات بخاری، النجم الوہاج شرح مقدمہ صحیح مسلم، المغنی شرح دارقطنی۔ علامہ وحید الزمان نے صحاح ستہ کے اردو تراجم کے علاوہ لغات الحدیث۔ علامہ عبدالرحمن مبارکپوری نے ابکار المنن۔ مولانا عبدالاول غزنوی نے نصر الباری ترجمہ صحیح بخاری، ریاض الصالحین اور مشکوٰۃ کے اردو تراجم۔ مولانا اسماعیل سلفی نے مشکوٰۃ کا اردو ترجمہ کیا جس کا ایک حصہ شائع ہو چکا ہے۔ حافظ عبداللہ روپڑی صاحب نے فصل الخطاب کے جواب میں کتاب المستطاب لکھی۔ مولانا فضل حق دلاوری نے امام شوکانی کی فوائد المجموعہ فی احادیث الموضوعہ اور ملا علی قاری کی موضوعات کبیر کے اردو تراجم کئے۔ مولانا عبیداللہ رحمانی مشکوٰۃ کی عدیم النظیر شرح مرعاۃ المفاتیح کے نام سے لکھ رہے ہیں۔ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے نسائی کا حاشیہ لکھا۔ ان حضرات کے علاوہ احناف میں سے مولانا انور شاہ کشمیری نے فیض الباری کے نام سے بخاری کی شرح۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے بذل المجہود شرح ابوداؤد۔ مولانا اشفاق الرحمن نے الطیب الشذی شرح ترمذی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے مسلم شریف کی شرح فتح الملہم۔ مولانا عبدالحی لکھنوی نے امام الکلام و تعلیق الممجد۔ مولانا محمود الحسن نے ترمذی کا حاشیہ۔ مولانا عبدالعزیز نے مشکلات البخاری۔ مولانا یوسف بنوری نے معارف السنن۔ مولانا انور شاہ نے ایک اور کتاب العرف الشذی تالیف فرمائی لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ احناف کو خدمت حدیث علماء حدیث کی عظیم الشان خدمات کی وجہ سے ہی کرنے کی تحریک ہوئی۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علمائے احناف نے علم حدیث کی خدمت کرتے وقت بعض خاص مقاصد مد نظر رکھے۔ انہوں نے محدثین کی کتب کو اصحاب الحدیث کی بجائے اصحاب الرائے کے طریق پر پڑھایا اور ان کے حواشی و شروح میں گروہی جانبداری کو ملحوظ رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حاشیہ میں متن کی مخالفت پائی جاتی ہے اور جو حدیث مدرس کو اپنے مسلک کے خلاف نظر آئے اس کی توجیہہ و تاویل پر زور دیا جاتا ہے۔ اس تکلف کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلباء میں علوم حدیث میں وسعت نظر پیدا نہ ہو۔ بطور مثال علمائے احناف میں سے مولانا احمد علی سہارنپوری (ف ۱۲۹۷ھ) کے حواشی صحیح بخاری، ترمذی اور مشکوٰۃ۔ مولانا عبدالغنی مجددی و مولانا شیخ محمد تھانوی کے حواشی سنن ابن ماجہ و سنن نسائی اور نواب محمد قطب الدین دہلوی کا اردو حاشیہ مشکوٰۃ وغیرہ۔ یہی وجہ کہ یہ بزرگ

علم حدیث کی کماحقہ خدمت نہیں کر سکے۔

تعلیم الحدیث کے ضمن میں حافظ عبداللہؒ صاحب روپڑی۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی شیخ الحدیث حافظ محمد گوندلوی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، حافظ محمد عبداللہ صاحب بڈھیمالوی، شیخ الحدیث مولانا سلطان محمود محدث، احناف میں مولانا محمد زکریا سہارنپوری، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا محمد یوسف بنوری۔ مفتی ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع، مولانا عبداللہ درخواستی، مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک، مولانا ادریس کاندھلوی اور علمائے دیوبند کے سرخیل شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی خدمات قابلِ قدر ہیں۔

تعلیم الحدیث کا درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے علاوہ ایک اور طریقہ وعظ و تقریر بھی ہے۔ علماء اہل حدیث نے برصغیر کے گوشے گوشے میں پہنچ کر عمل بالحدیث کی اہمیت واضح کی۔ اور ان کے پر اثر مطالبات سے بے شمار لوگ علوم سنت کے شیدائی بنے۔ اس میدان میں حافظ محمد دہلویؒ۔ شاہ محمد شریف گھڑیالویؒ۔ مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ۔ مولانا محمد حسینؒ بٹالوی۔ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ۔ مولانا عبدالحق غزنویؒ، مولانا عبدالحق احمد پوری نزیل مکہ۔ مولانا عبدالتوابؒ علی گڑھی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ قاضی محمد سلیمان سلمانؒ منصورپوری، شیخ الحدیث مولانا اسماعیل سلفیؒ۔ حافظ اسماعیل روپڑیؒ حافظ محمد یحییٰ عزیز۔ پیر سید بدیع الدین شاہ۔ مولانا محمد حسین شیخوپوری۔ مولانا احمد الدین گکھڑوی۔ حافظ محمد اسماعیل ذبیح۔ مولانا محمد صدیق لائلپوری کی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔

مدارس حدیث: تعلیم الحدیث کے ضمن میں جن مدارس نے قابلِ قدر خدمت سر انجام دی ہیں اُن کی فہرست بہت طویل ہے، ہم ذیل میں چند ایک مدارس کا ذکر کرتے ہیں۔ مدرسہ رحیمیہ دہلی (شاہ ولی اللہؒ اور ان کے صاحبزادوں

کا حلقۂ درس)، مدرسہ حضرت میاں صاحب مدرسہ علی جان دہلی۔ دارالحدیث رحمانیہ دہلی، دارالعلوم شکراوہ، مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور۔ اعظم گڑھ کا مدرسہ۔ مدرسہ عالیہ مئوناتھ بھنجن مدرسہ احمدیہ آرہ (طرزِ جدید کے مدارس عربیہ کا پیش رو)۔ جامعہ عربیہ دارالسلام عمرپور۔ مطلع العلوم میرٹھ۔ مدرسہ محمدیہ لکھوکے حال اوکاڑہ۔ مدرسہ سلفیہ تقویۃ الاسلام امرتسر ثم لاہور۔ مدرسہ تائید الاسلام امرتسر۔ دارالحدیث وزیرآباد (استادِ پنجاب کا مدرسہ)۔ جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ (شیخ الحدیث مولانا اسماعیل سلفی مرحوم کا مدرسہ)۔ دارالقرآن والحدیث لائلپور۔ دارالحدیث ملتان، دارالحدیث جلالپور پیروالا۔ مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ لائلپور، دارالعلوم دیوبند (بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی)۔ مفتی کفایت اللہ کا مدرسہ امینیہ دہلی۔ مظاہر العلوم سہارنپور۔ جامعہ اشرفیہ لاہور۔ خیر المدارس اور قاسم العلوم (مفتی محمود صاحب کا مدرسہ) ملتان۔ کراچی میں مدرسہ عربیہ اور دارالعلوم۔ مولانا عبداللہ درخواستی کا مدرسہ مخزن العلوم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ دارالعلوم تعلیم القرآن (مولانا غلام اللہ کا مدرسہ) ٹنڈو الٰہ یار میں مفتی ظفر احمد عثمانی کا مدرسہ۔ خدا تعالیٰ اپنے دین کے ان قلعوں کو تا ابد سلامت رکھے۔

طباعتِ کتبِ حدیث:- درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے علاوہ برصغیر میں علمائے حدیث نے کتب حدیث کی وسیع پیمانے پر اشاعت کا اہتمام کیا اور بہت سی کتب حدیث ایسی ہیں جنہیں پہلی بار ہند میں شائع کرنے کی سعادت بھی اصحاب الحدیث کے حصہ میں آئی۔ ان کتب میں سنن دارقطنی۔ التلخیص الحبیر۔ الہدایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ۔ معجم الصغیر للطبرانی اور منتقی الاخبار بھی شامل ہیں۔

غرض ان بزرگوں نے ترویج و اشاعت اور تعلیم حدیث کیلئے اپنی زندگیاں، اپنے اوقات، اپنے اموال اور اپنی تمام تر ہمتیں صرف کردیں۔ خدا تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، اور

سلام ما برسانید ہر کجا ہستند